عقیدہ نمبر ⑦: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ سے ارشاد فرمایا: اصبروا وأبشروا، فإنّي قد باركت في صاعكم ومدّكم "تم صبر سے کام لو اور خوش ہو جاؤ کہ میں نے تمہارے صاع اور مد میں برکت ڈال دی ہے۔" (مسند االبزار : 1/ 240،ح :127، سنن ابن ماجة : 3255 مختصرا)

تبصرہ : اس کی سند سخت ترین "ضعیف" ہے ۔ اس کا راوی عمرو بن دینار قہرمان آل الزبیر بالاتفاق "ضعیف" ہے۔اس کی واضح توثیق کے حوالے سے ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔

اسے امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم الرازی، امام ابوزرعہ الرازی، امام بخاری، امام فلاس، امام نسائی، امام دار قطنی، امام ترمذی، امام ابن حبان اور امام جوزجانی وغیرہم نے "ضعیف" قرار دیا ہے۔

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام بزّار رحمہ اللہ خود اس راوی کے بارے میں فرماتے ہیں: وهو ليّن الحديث "اور اس کی حدیث کمزور ہے۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متّفق على ضعفه "اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔" (فيض القدير للمناوي : 4/ 60)

لہٰذا حافظ منذری رحمہ اللہ (الترغيب : 2/ 145، ح : 1857) کا اس کی سند کو "جیّد" کہنا اور حافظ ہیثمی رحمہ اللہ (مجمع الزوائد : 3/ 306) کا ورجاله رجال الصحيح کہنا بالکل

صحیح نہیں بلکہ حیران کن ہے کیونکہ خود حافظ منذری(2775) اور حافظ ہیثمی(8/ 178) نے اس راوی کو "متروک" قرار دیا ہے۔

اس کے باوجود "اعلیٰ حضرت" احمد رضا خان بریلوی صاحب اس سخت "ضعیف" روایت پر **"حضور نے رزق کے پیانے پر برکت دی"** کی سرخی جما کر اپنا مبالغہ آمیز عقیدہ ان الفاظ میں ثابت کرتے ہیں: "اس حدیث نے بتایا کہ اہلِ مدینہ کے رزق میں برکت رکھنے کو حضور نے اپنی طرف نسبت فرمایا۔" (الامن والعلیٰ از احمد رضا: ص139)

قارئین کرام! انصاف شرط ہے۔ آیا اس طرح کے راویوں کی روایات کو عقیدہ کے باب میں بطور حجت پیش کرنا اہل حق کو زیبا ہے؟ ایسوں کے بارے میں حافظ جوزجانی رحمہ اللہ (م:259ھ) نے کیا خوب کہا ہے: ومنهم الضعيف في حديثه، غير سائغ لذي دين أن يحتجّ بحديثه وحده إلّا أن يقويه حديث من هو أقوى منه، فحينئذ يعتبر به

"بعض روای اپنی حدیث میں ضعیف ہوتے ہیں۔ کسی دین دار کے لیے ان کی حدیث سے حجت لینا جائز نہیں ہوتا الّا یہ کہ اس کی حدیث کو ایسے شخص کی حدیث تقویت دے دے جو اس سے قوی ہو۔ اس وقت اس کی حدیث کو متابعات وشواہد میں پیش کیا جا سکتا ہے۔" (أحوال الرجال للجوزجاني : ص 33)

عقیدہ نمبر ⑧ : دو اونٹ مست ہو کر بگڑ گئے تھے، کسی کو پاس نہ آنے دیتے تھے۔ مالکوں نے ایک باغ میں بند کر دیئے تھے۔ باغ اُجاڑتے تھے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ مامور نے اندیشہ کیا، مبادا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیں۔ فرمایا: خوف نہ کر، کھول دے۔ کھول دیا، وہ دو اونٹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر گئے۔ صحابہ کرام نے یہ حالت دیکھ کر عرض کی:

يا نبيّ الله! تسجد لک البهائم، فبلاء الله عندنا بك أحسن حين هدانا الله من الضلالة واستنقذنا بك من المهالك، أفلا تأذن لنا في السجود لك ؟

”اے اللہ کے نبی! چوپائے آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لیے آپ کے ذریعے سے ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ تو اس سے بہت بہتر ہے۔ آپ نے ہمیں گمراہی سے پناہ دی، ہلاکت سے نجات بخشی تو کیا آپ ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں؟“
(دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني : 285، تاريخ ابن عساكر : 48/ 133)

تبصرہ : یہ روایت سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔ اس کا راوی شبیب بن شیبہ التقفی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“ ہے جیسا کہ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
والأكثرون على تضعيفه ”اکثر محدثین اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔“ (مجمع الزوائد : 4/311، 5/ 84)

اس راوی کو امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (تاريخ ابن معين : 2/ 248) نے غیر ثقہ قرار دیا ہے، امام ابوزرعہ الرازی (سوالات البرذعي : 2/ 443) اور امام ابو حاتم الرازی (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 4/ 358) رحمۃ اللہ علیہما نے غیر قوی، امام نسائی (كتاب الضعفاء والمتروكين : 293) رحمہ اللہ نے ”ضعیف“ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے (كتاب الضعفاء والمتروكين : 286) میں ذکر کیا ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
كان يهم في الأخبار ويخطئ إذا روى غير الأشعار، لا يحتجّ بما انفرد من الأخبار ”جب یہ اشعار کے علاوہ کچھ بیان کرتا تھا تو یہ روایات میں وہم اور خطا کا شکار ہو جاتا تھا۔ اس کی ان احادیث سے حجت نہیں لی جا سکتی جن کے بیان کرنے میں یہ منفرد ہے۔“ (المجروحين لابن حبان :1/363)

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لا يتابع عليه (الضعفاء الكبير للعقيلي : 2/191)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعّفوه في الحديث ”محدثین کرام نے اسے حدیث میں ضعیف قرار دیا ہے۔“ (المغني في الضعفاء للذهبي :1/ 464)

اس "ضعیف" راوی کی "ضعیف" روایت کو "اعلیٰ حضرت" بریلوی صاحب نے اپنے ماتھے کا جھومر بناتے ہوئے باب قائم کیا ہے کہ **"نبی ﷺ نے گمراہی سے پناہ دی، ہلاکت سے نجات بخشی"** (الأمن والعلیٰ از احمد رضا : ص 120)

نیز لکھتے ہیں: "وہابیہ کہ گمراہی پسند و ہلاک دوست ہیں۔ ان سخت ترین بلیات کو بلا کیوں سمجھیں گے کہ ان سے پناہ دینے، نجات بخشنے والے نبی ﷺ کو دافع البلاء جانیں" (الامن والعلیٰ از احمد رضا خان : ص 120)

قرآن و حدیث کا واضح فیصلہ ہے کہ دافع البلاء صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہدایت کی توفیق صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں۔ ہلاکت سے صرف اللہ تعالیٰ ہی بچا سکتا ہے۔

عقیدہ نمبر ⑨ : جبیر بن نُفَیر الحضرمی التابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لقد جاء رسول اللّٰه إليكم، ليس بوهن

"تمہارے پاس رسول تشریف لائے ہیں جو ضعف و کاہلی سے پاک ہیں تاکہ وہ غلاف چڑھے ہوئے دلوں کو زندہ کر دیں، اندھی آنکھوں کو کھول دیں، بہرے کانوں کو شنوا کر دیں اور ٹیڑھی زبانوں کو سیدھا کریں یہاں تک کہ لوگ کہہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔" (مسند الدارمي :1/ 6)

تبصرہ : اس کی سند "ضعیف" ہے کیونکہ جبیر بن نُفَیر تابعی ہیں اور ڈائریکٹ نبی اکرم ﷺ سے روایت بیان کر رہے ہیں لہٰذا ناقابل حجت ہے۔ "اعلیٰ حضرت" نے اس پر یہ سرخی جمائی ہے:

"حضور نے غافل دل زندہ، اندھی آنکھیں روشن، بہرے کان شنوا، ٹیڑھی زبانیں سیدھی کر دیں"۔ (الأمن والعلیٰ از احمد رضا خان : ص 119)

اسلاف پرستی سے اصنام پرستی تک!

غلام مصطفٰی ظہیر امن پوری

اسلاف پرستی ہی اصنام پرستی ہے۔ دنیا میں شرک اولیاء وصلحاء کی محبت و تعظیم میں غلو کے باعث پھیلا جیسا کہ مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (600-671ھ) فرماتے ہیں:

فيؤدّي إلى عبادة من فيها كما كان السبب في عبادة الأوثان .

"قبر پرستی اصحابِ قبور کی عبادت تک پہنچا دیتی ہے جیسا کہ بت پرستی کا سبب بھی یہی تھا۔" (تفسير القرطبي : 10/ 380)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللهِ زُلْفَى ﴾ "اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (ان کا کہنا ہے کہ) ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔" (الزمر : 3) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سنی امام علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) فرماتے ہیں: يَقُولُ تَعَالَى ذِكْرُهُ : ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللهِ أَوْلِيَاءَ﴾ يَتَوَلَّوْنَهُم، ويعبدونهم من دون الله، يقولون لهم : ما نعبدكم أيها الآلهة إلّا لتقربونا إلى الله زُلْفَى، قربة ومنزلة، وتشفعوا لنا عنده في حاجاتنا . "اور جو لوگ اللہ کے سوا اولیاء بناتے ہیں وہ یہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں وہ ان سے کہتے ہیں کہ اے معبودو! ہم تمہاری عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ تم ہمیں مقام و مرتبے میں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دو اور ہمارے کاموں کے بارے میں اللہ سے سفارش کرو۔"

(جامع البيان في تأويل القرآن :653/9)

آج کا مسلمان اولیاء اور صالحین کی قبروں کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتا ہے جو مشرکین مکہ اپنے بتوں کے متعلق رکھتے تھے۔ وہ قبروں سے امیدیں وابستہ رکھے ہوئے ہے۔ آج بندوں کے نام کی دہائی دی جاتی ہے۔ خوشی اور غمی میں ان کو پکارا جاتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھا جاتا ہے کہ ہماری ان کے آگے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ یہ دستگیر اور غریب نواز ہیں۔ ان کی قبروں کی طرف سفر کیا جاتا ہے۔ منت منوتی پیش کی جاتی ہے۔ نذرانے چڑھائے جاتے ہیں۔ نیازیں تقسیم ہوتی ہیں۔ بالکل یہی وطیرہ مشرکین مکہ کا تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (700-773ھ) لکھتے ہیں: ثم أخبر تعالى عن عُبّاد الأصنام من المشركين أنهم يقولون: ﴿مَا نَعۡبُدُهُمۡ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى ٱللَّهِ زُلۡفَىٰٓ﴾ أي: إنما يحملهم على عبادتهم لهم أنهم عمدوا إلى أصنام اتخذوها على صور الملائكة المقربين في زعمهم، فعبدوا تلك الصور تنزيلا لذلك منزلة عبادتهم الملائكة ليشفعوا لهم عند الله في نصرهم ورزقهم، وما ينوبهم من أمر الدنيا.

"پھر اللہ تعالیٰ نے بتوں کے پجاری مشرکین کے اس قول کی خبر دی ہے کہ ہم تو ان بتوں کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ مقام و مرتبے میں ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ یعنی مشرکین مکہ کو بتوں کی پوجا پر صرف اس چیز نے آمادہ کیا تھا کہ انہوں نے اپنے خیال کے مطابق مقرب فرشتوں کی شکل پر بت بنائے ہوئے تھے اور وہ ان بتوں کی عبادت فرشتوں کی ہی عبادت سمجھ کر کرتے تھے تاکہ وہ فرشتے اللہ کے ہاں ان کی مدد، رزق اور دنیاوی مصائب کے بارے میں سفارش کریں۔" (تفسیر ابن کثیر: 5/397، 396)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں: وهذه الأمور المبتدعة من الأقوال هي مراتب: أبعدها عن الشرع أن يسأل الميّت حاجة أو يستغيث به فيها كما يفعله كثير من الناس بكثير من الأموات، وهو من جنس

عبادة الأصنام ، ولهذا تتمثّل لهم الشياطين على صورة الميّت أو الغائب كما كانت تتمثّل لعبادة الأصنام، بل أصل عبادة الأصنام إنّما كانت من القبور كما قال ابن عبّاس وغيره، وقد يرى أحدهم القبر قد انشقّ وخرج منه الميّت فعانقه أو صافحه أو كلّمه ، ويكون ذلک شيطانا تمثّل على صورته ليضلّه ، وهذا يوجد كثيرا عند قبور الصالحين ، وأمّا السجود للميّت أو للقبر فهو أعظم وكذلک تقبيله ، المرتبة الثانية : أن يظنّ أنّ الدعاء عند قبره مستجاب أو أنّه أفضل من الدعاء فی المساجد والبيوت ، فيقصد زيارته لذلک أو للصلاة عنده أو لأجل طلب حوائجه منه ، فهذا أيضا من المنكرات المبتدعة باتّفاق أئمّة المسلمين وهي محرّمة ، وما علمت في ذلک نزاعا بين أئمّة الدين ، المرتبة الثالثة : أن يسأل صاحب القبر أن يسأل اللّٰه له ، وهذا بدعة باتّفاق أئمّة المسلمين . ’’یہ بدعت پر مبنی اقوال بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو قول سب سے بڑھ کر شریعت سے دور ہے وہ یہ ہے کہ میت سے کسی ضروری چیز کا مطالبہ کیا جائے یا اس سے اس بارے میں مدد طلب کی جائے۔ بہت سے لوگ بہت سے مُردوں سے ایسا کرتے ہیں۔ یہ کام بتوں کی عبادت ہی کی قسم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیاطین میت یا غائب شخص کی شکل میں ان لوگوں کے پاس بھی آتے ہیں جیسا کہ بت پرستوں کے پاس آیا کرتے تھے۔ بلکہ بتوں کی عبادت کی بنیاد قبروں سے ہی ہوئی تھی جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا ہے۔ بسا اوقات کوئی قبر پرست دیکھتا ہے کہ قبر پھٹی ہے اور مُردے نے اس سے نکل کر اس سے معانقہ یا مصافحہ یا کلام کی ہے۔ درحقیقت یہ شیطان ہوتا ہے جو اس میت کی شکل میں آیا ہوتا ہے تاکہ اس شخص کو گمراہ کرے۔ نیک لوگوں کی قبروں کے پاس ایسا بہت دفعہ ہوتا ہے۔ رہا میت یا قبر کو سجدہ کرنا یا اس کو بوسہ دینا تو وہ اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ دوسرے درجے میں یہ بات آتی

ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ قبر کے پاس دعا قبول ہوتی ہے یا یہ مسجد یا گھر میں دعا کرنے سے افضل ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے وہ قبر کی زیارت کے لیے جاتا ہے یا اس کے پاس نماز کا اہتمام کرتا ہے یا اس سے اپنی ضروریات طلب کرتا ہے۔ یہ بھی بدعت پر مبنی منکرات میں سے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کے ائمہ کا اتفاق ہے کہ یہ کام حرام ہیں۔ مجھے اس بارے میں ائمہ دین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ملا۔ تیسرے درجے میں یہ بات آتی ہے کہ صاحب قبر سے کہا جائے کہ وہ اللہ سے کوئی چیز مانگ کر دے۔ یہ کام ائمہ مسلمین کے نزدیک بالاتفاق بدعت ہے۔" (تلخیص کتاب الاستغاثة لابن تيمية : ١/ ١٤٥)

امام ابن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) لکھتے ہیں: ولم يكونوا يعتقدون في الأصنام أنّها مشاركة لله في خلق العالم بل كان حالهم فيها كحال أمثالهم من مشركي الأمم من الهند والترك والبربر وغيرهم ، تارة يعتقدون أنّ هذه تماثيل قوم صالحين من الأنبياء والصالحين ، ويتّخذونهم شفعاء ويتوسّلون بهم إلى اللّٰه ، وهذا كان أصل شرك العرب ، قال تعالٰى حكاية عن قوم نوح : ﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ "مشرکین مکہ کا بتوں کے بارے میں یہ اعتقاد نہیں تھا کہ وہ کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، بلکہ ان کا حال ہندوستان، ترکی اور بربر کی مشرک قوموں کی طرح ہی تھا۔ کبھی ان کا اعتقاد یہ بن جاتا ہے کہ یہ نیک لوگوں اور انبیائے کرام کی مورتیاں ہیں اور وہ ان کو اپنا سفارشی بناتے ہیں اور اللہ کی طرف ان کو وسیلہ بناتے ہیں۔ یہی عرب لوگوں کا اصل شرک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ (اور انہوں نے کہا: تم کبھی بھی اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا نہ ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا)۔" (شرح العقيدة الطحاوية : ص ٨١)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

وتلاعب الشيطان بالمشركين في عبادة الأصنام له أسباب عديدة : تلاعب بكلّ قوم على قدر عقولهم ، فطائفة دعاهم إلى عبادتها من جهة تعظيم الموتى الّذين صوّروا تلك الأصنام على صورهم كما تقدّم عن قوم نوح عليه السلام ، ولهذا لعن النبي صلّى الله عليه وسلّم المتّخذين على القبور المساجد والسرج ، ونهى عن الصلاة إلى القبور ، وسأل ربّه سبحانه أن لا يجعل قبره وثنا يعبد ، ونهى أمّته أن يتّخذوا قبره عيدا ، وقال :((اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد))، وأمر بتسوية القبور وطمس التماثيل ، فأبى المشركون إلّا خلافه في ذلك كلّه إمّا جهلا وإمّا عنادا لأهل التوحيد، ولم يضرّهم ذلك شيئًا، وهذا السبب هو الغالب على عوّام المشركين، وأمّا خواصّهم فإنّهم اتّخذوها بزعمهم على صور الكواكب المؤثّرة في العالم عندهم، وجعلوا لها بيوتا وسدنة وحجابا وحجبا وقربانا، ولم يزل هذا في الدنيا قديما وحديثا

"بہت سے اسباب ہیں جن کے ذریعے شیطان نے مشرکین کو بتوں کی عبادت میں ملوث کیا۔ اس نے ہر قوم سے اس کی عقل کے مطابق کھیل کیا۔ ایک گروہ کو بتوں کی عبادت کی طرف دعوت مُردوں کی تعظیم کے ذریعے دی۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کی صورتوں پر مُورتیاں بنائیں جیسا کہ قوم نوح کے بارے میں اس بات کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسی لیے نبیؐ اکرم ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت کی ہے جو قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں، نیز آپ نے قبروں کی طرف سے رُخ کر کے نماز پڑھنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ اور اللہ

تعالیٰ سے دعا فرمائی ہے کہ میری قبر کو ایسا بت نہ بنا دینا جس کی عبادت کی جائے۔ اور اپنی امت کو اپنی قبر کو میلہ گاہ بنانے سے منع بھی فرمایاہے۔ اور فرمایا: ((اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد))(ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوا جنہوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا)۔ نیز آپ ﷺ نے قبروں کو برابر کرنے اور مُورتیوں کو مٹانے کا حکم فرمایا۔ مشرکین نے ان سب باتوں کی مخالفت ہی کی یا اپنی جہالت کی بنا پر یا پھر اہل توحید سے عداوت کی بنا پر حالانکہ اس سے اہل توحید کا کچھ نہیں بگڑا۔ عام مشرکین میں یہی طرز عمل غالب رہاہے۔ رہے خاص مشرکین تو انہوں نے بت یہ سمجھ کر بنائے تھے کہ یہ بت کائنات میں موجود بااثر ستاروں کی شکل میں ہیں۔ ان مشرکین نے ان بتوں کے لیے آستانوں، غلافوں، دربانوں اور قربانیوں کا اہتمام کیا۔ دنیا میں پرانے اور نئے زمانے میں ایسا ہوتا آیاہے۔"(إغاثة اللهفان :2/ 223①222)

نیز فرماتے ہیں: فوضع الصنم إنّما كان في الأصل على شكل معبود غائب، فجعلوا الصنم على شكله وهيأته وصورته ليكون نائبا منابه وقائما مقامه، وإلّا فمن المعلوم أنّ عاقلا لا ينحت خشبة أو حجرا بيده ثمّ يعتقد أنّه إلهه ومعبوده "بت بنانے کا آغاز کسی غائب معبود کی شکل میں مُورتی بنانے سے ہوا۔ مشرکین نے اپنے معبود کی شکل وصورت کے مطابق بت بنالیے تاکہ وہ ان کے معبود کے قائم مقام ہو جائیں، ورنہ معلوم بات ہے کہ کوئی عاقل اپنے ہاتھ سے کسی لکڑی یا پتھر کو اپنے ہاتھ سے تراش کر اس کے بارے میں یہ اعتقاد نہیں رکھ سکتا کہ وہ اس کا الٰہ اور معبود ہے۔"
(إغاثة اللهفان لابن القيم : ٢/ ٢٢٤)

❀❀❀❀❀❀❀

باجماعت نماز یا فجر کی سنتیں ؟

غلام مصطفی ظہیر امن پوری

جب فرض نماز کی اقامت شروع ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ سنتیں اور نوافل پڑھنا جائز نہیں خواہ صف میں کھڑے ہو کر ادا کیے جائیں یا صف سے پیچھے اور خواہ ادائیگی کے بعد کلام کرے یا نہ کرے، جیسا کہ:

دلیل نمبر ① : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَلاَ صَلاَةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ))

"جب فرض نماز کے لیے اقامت کہہ دی جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی (نفلی) نماز نہیں ہوتی۔"(مسند الإمام أحمد : 331/2، صحيح مسلم :247/1، ح : 710)

یہ حدیث مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح روایت ہوئی ہے، یعنی اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان بھی ثابت ہے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی۔ یہ اصول ہے کہ موقوف روایت مرفوع حدیث کے لیے تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ اس مرفوع حدیث میں واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ فجر کی سنتیں ہوں یا کوئی اور نماز، فرض نماز کی اقامت کے بعد پڑھنا ممنوع ہے۔

① امام ترمذی رحمہ اللہ (209 - 279ھ) اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

والعمل على هذا عند بعض أهل العلم من أصحاب النبي صلّى الله عليه وسلّم وغيرهم إذا أقيمت الصلاة أن لا يصلّي الرجل إلّا المكتوبة، وبه يقول سفيان الثوريّ وابن المبارك والشافعيّ وأحمد وإسحق "بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو

آدمی صرف فرضی نماز ہی پڑھ سکتا ہے۔ امام سفیان ثوری، امام عبد اللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔"
(سنن الترمذي، تحت الحديث : 421)

② امام الائمہ ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (223-311ھ) نے اس حدیث پر یوں باب قائم کیا ہے: باب النهي عن أن يصلّي ركعتي الفجر بعد الإقامة ضدّ قول من زعم أنّهما تصليان و الإمام يصلّي الفريضة "اس بات کا بیان کہ فجر کی دو رکعت سنتیں اقامت کے بعد ادا کرنا منع ہیں برخلاف اس شخص کے جو کہتا ہے کہ امام فرض نماز پڑھا رہا ہو تو یہ دو رکعتیں پڑھ لی جائیں۔" (صحيح ابن خزيمة : 2/ 169، ح : 1123)

③ امام ابن حبان رحمہ اللہ (354ھ) نے یوں تبویب فرمائی ہے: ذكر البيانّ بأنّ حكم صلاة الفجر وحكم غيرها من الصلوات في هذا الزجر سواء
"اس بات کا بیان کہ اس ڈانٹ میں نماز فجر اور دوسری نمازوں کا حکم ایک ہی ہے۔"
(صحيح ابن حبان ، تحت الحديث : 2193)

④ حافظ ابنِ عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: والحجّة عند التنازع السنّة ، فمن أوّل بها فقد أفلح ، ومن استعملها فقد نجا "اختلاف کے وقت دلیل سنتِ نبوی ہوتی ہے۔ جو شخص سنت کی تعمیل کرے وہ کامیاب اور جو اس پر عمل کرے وہ نجات مند ہے۔"
(التمهيد لابن عبد البر : 22/ 69)

⑤ حافظ خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) فرماتے ہیں: في هذا بيان أنه ممنوع من ركعتي الفجر ومن غيرها من الصلوات إلّا المكتوبة "اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ (فرض نماز کی اقامت کے بعد) فجر کی دو رکعتیں اور دوسری کوئی نماز سوائے فرضی کے ممنوع ہے۔" (معالم السنن للخطابي : 1/ 274)

⑥ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (508-597ھ) فرماتے ہیں:

وهذا لأنہ قد صار الحكم لها، ولا ينبغي أن يتشاغل بالأنقص مع حضور الأكمل، وقد قال أبو حنيفة : من كان خارج المسجد ولم يخش فوات الركوع في الركعة الثانية من الفجر صلّى ركعتين، ثمّ دخل، والحديث يردّ هذا "یہ (فرض کی اقامت کے بعد نفلی نماز کی ممانعت) اس لیے ہے کہ اب وقت فرضی نماز کا ہے اور جائز نہیں کہ کامل تر چیز کی موجودگی میں اس سے کم تر چیز (نفلی نماز) کے ساتھ مشغول ہوا جائے ۔ امام ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ جو شخص مسجد سے باہر ہو اور اسے (فجر کی دو رکعت سنت ادا کرتے ہوئے) دوسری رکعت کا رکوع نکل جانے کا خدشہ نہ ہو تو وہ شخص دو رکعتیں ادا کر کے نماز میں داخل ہو جائے حالانکہ یہ حدیث اس بات کا ردّ کرتی ہے۔"

(كشف المشكل من حديث الصحيحين لابن الجوزي :1/ 1022)

⑦ حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فيها النهي الصريح عن افتتاح نافلة بعد إقامة الصلاة، سواء كانت راتبة كسنّة الصبح والظهر والعصر أو غيرها، وهذا مذهب الشافعيّ والجمهور

"اس حدیث میں فرضی نماز کی اقامت کے بعد نفل نماز کی واضح ممانعت ہے خواہ وہ نفل نماز سنن راتبہ میں سے ہو جیسے صبح، ظہر اور عصر کی سنتیں ہوں یا کوئی اور نفلی نماز ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور جمہور علمائے کرام کا یہی مذہب ہے۔"

(شرح صحيح مسلم للنووي :1/ 247)

⑧ حافظ ابن قیّم الجوزیہ رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں: ردّ السنّة الصحيحة الصريحة أنّه لا يجوز التنفّل إذا أقيمت صلاة الفرض كما في صحيح مسلم "صحیح اور صریح سنت نے فرض نماز کی اقامت کے بعد نفل نماز کے ناجائز ہونے کا رد کیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں موجود ہے۔"

(إعلام الموقعين لابن القيم : 2/ 375)

⑨ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں: فيه منع التنفل بعد الشروع في إقامة الصلاة سواء كانت راتبة أم لا "اس حدیث میں فرض نماز کی اقامت کے بعد نفل نماز شروع کرنے کی ممانعت ہے خواہ نفلی نماز سنن رواتب میں سے ہو یا نہ ہو۔" (فتح الباري : 3/ 368)

⑩ محدث محمد عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (م : 1353ھ/ 1934ء) فرماتے ہیں: والحديث يدلّ علىٰ أنّه لا يجوز الشروع في النافلة عند إقامة الصلاة من غير فرق بين ركعتي الفجر وغيرها "یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فرض نماز کی اقامت کے وقت نفل نماز شروع کرنا جائز نہیں۔ اس حوالے سے فجر کی دو رکعت سنتوں اور دیگر نفل نمازوں میں کوئی فرق نہیں۔" (تحفة الأحوذي : 1/ 323)

فائدہ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلّا الّتي أقيمت "جب نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو کوئی نماز نہیں ہوتی سوائے اس نماز کے جس کے لیے اقامت کہہ دی گئی ہو۔" (المعجم الأوسط للطبراني : 8654، شرح معاني الآثار : 1/ 371، وسندهٗ حسنٌ)

دلیل نمبر ② : سیدنا عبد اللہ بن مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: إنّ رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم رأى رجلا وقد أقيمت الصلاة يصلّي ركعتين، فلمّا انصرف رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم لاث به الناس، فقال رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلّم : ((آلصبح أربعا ؟ آلصبح أربعا ؟)) "رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز کی اقامت کے بعد فجر کی دو رکعت سنت پڑھ رہا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ

ہوئے تو لوگوں نے اس آدمی کو گھیر لیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا فجر کی (فرض) نماز چار رکعتیں پڑھ رہے ہو؟ کیا فجر کی (فرض) نماز چار رکعتیں پڑھ رہے ہو؟"
(صحيح البخاري :91/1، ح : 663، صحيح مسلم :1/ 247، ح :711)

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: أقيمت صلاة الصبح، فرأى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم رجلا يصلّى والمؤذّن يقيم، فقال : أتصلّى الصبح أربعا "صبح کی نماز کھڑی ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ مؤذن کی اقامت کے دوران نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم صبح کی (فرض نماز) چار رکعتیں ادا کر رہے ہو؟"

حافظ ابنِ عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں: قوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ((أصلاتان معا ؟))، و قوله لهذا الرجل : ((أيّتهما صلاتك))، وقوله في حديث ابن بحينة : ((أتصليهما أربعا)) كلّ ذلك إنكار منه صلّى اللّٰه عليه وسلّم لذلك الفعل، فلا يجوز لأحد أن يصلّي في المسجد ركعتي الفجر ولا شيئًا من النوافل إذا كانت المكتوبة قد قامت "رسول اللہ ﷺ کا فرمان کہ کیا دو نمازیں اکٹھی پڑھنا چاہتے ہو، اور اس آدمی کو آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ ان دونوں میں سے تیری (فجر کی فرض) نماز کون سی ہے؟ نیز سیدنا بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ کیا فجر کی نماز دو رکعتیں پڑھنا چاہتے ہو؟ یہ سب باتیں نبیٔ اکرم ﷺ کی طرف سے اس کام پر انکار ہے۔ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ فرض نماز کی اقامت کے بعد مسجد میں فجر کی دو رکعتیں یا کوئی اور نفلی نماز ادا کرے۔" (التمهيد لابن عبد البر : 22/ 68)

مشہور فقیہ ابو العباس القرطبی رحمہ اللہ (م: 656ھ) فرماتے ہیں: وقوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم: ((أتصلى الصبح أربعا ؟)) إنكار على الرجل الذى فعل ذلک، وهذا

الإنكار حجۃ علیٰ من ذهب إلی جواز صلاة رکعتي الفجر في المسجد والإمام یصلّی "نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ کیا تم صبح کی (فرض) نماز چار رکعت ادا کر رہے ہو؟ یہ اس کام کرنے والے پر انکار ہے اور اس انکار میں اس شخص کا رد ہے جو امام کے نماز پڑھاتے ہوئے فجر کی دو رکعتوں کی ادائیگی کو جائز قرار دیتا ہے۔"
(المفهم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم : باب إذا أقیمت الصلاة فلا صلاة ---)

حافظ نووی رحمہ اللہ (631 /676ھ) ((آلصبح أربعا)) کے الفاظ کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں: ((أتصلّي الصبح أربعا ؟)) هو استفهام إنکار، ومعناه أنّه لا یشرع بعد الإقامة للصبح إلّا الفریضة، فإذا صلّی رکعتین نافلة بعد الإقامة، ثمّ صلّی معهم الفریضة، صار في معنی من صلّی الصبح أربعا، لأنّه صلّی بعد الإقامة أربعا

"فرمانِ نبوی: کیا تم صبح کی (فرض) نماز چار رکعت ادا کرتے ہو؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ صبح کی نماز کی اقامت کے بعد صرف فرضی نماز ہی ادا کی جا سکتی ہے۔ جب آدمی اقامت کے بعد دو رکعتیں نفل ادا کرے گا پھر نمازیوں کے ساتھ فرض پڑھے گا تو گویا صبح کی چار رکعت ادا کر رہا ہے کیونکہ اس نے اقامت کے بعد چار رکعتیں ادا کی ہیں۔" (شرح صحیح مسلم للنووي :1/ 247)

علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (762-855ھ) لکھتے ہیں: قوله : آلصبح أربعا حیث أنکر علی الرجل الّذي کان یصلّي رکعتین بعد أن أقیمت صلاة الصبح، فقال: آلصبح أربعا، أي الصبح تصلّی أربعا، لأنّه إذا صلّی رکعتین بعد أن أقیمت الصلاة، ثمّ یصلّي مع الإمام رکعتین صلاة الصبح، فیکون في معنی من صلّی الصبح أربعا، فدلّ هذا علی أن لا صلاة بعد الإقامة إلّا الصلاة المکتوبة

”فرمانِ نبوی: کیا صبح کی نماز چار رکعت پڑھ رہے ہو؟ اس قول کے ساتھ آپ ﷺ نے اس شخص پر انکار کیا جو صبح کی نماز کھڑی ہونے کے بعد دو رکعتیں ادا کر رہا تھا۔ یعنی نماز کھڑی ہونے کے بعد جب وہ دو رکعتیں سنت ادا کر کے پھر امام کے ساتھ صبح کی دو رکعت نماز پڑھے گا تو گویا اس نے صبح کی چار رکعتیں ادا کی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت ہو جانے کے بعد کوئی نماز سوائے فرضی نماز کے نہیں ہوتی۔“

(عمدة القاري : 181/5)

دلیل نمبر ③: سیدنا عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: دخل رجل المسجد ورسول اللّٰہ في صلاة الغداة، فصلّی رکعتین في جانب المسجد، ثمّ دخل مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، فلمّا سلّم رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم، قال: یا فلان! بأيّ الصلاتین اعتددتّ؟ بصلاتک وحدک، أم بصلاتک معنا؟ ”ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جبکہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر ادا فرما رہے تھے۔ اس نے مسجد کے کونے میں فجر کی دو سنتیں پڑھیں، پھر نبیٔ اکرم ﷺ کے ساتھ نماز میں داخل ہو گیا۔ جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو فرمایا: اے فلاں! ان دو نمازوں میں سے کون سی نماز تو نے شمار کی ہے؟ کیا تو نے جو اکیلے نماز پڑھی ہے وہ یا جو ہمارے ساتھ پڑھی ہے؟“ (صحیح مسلم: 1/ 247، ح: 712)

حافظ خطابی رحمہ اللہ (319-388) فرماتے ہیں: في هذا دلیل علی أنه إذا صادف إمام في الفریضة لم یشتغل برکعتي الفجر وترکهما إلی أن یقضیهما بعد الصلاة ”اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ جب امام فرض نماز شروع کر دے تو آدمی فجر کی دو رکعتوں میں مصروف نہیں ہو گا بلکہ ان کو چھوڑ دے گا اور نماز مکمل کرنے کے بعد ان کی قضائی دے دے گا۔“

(معالم السنن للخطابي : 1/ 274)

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فيه دليل على أنّه لا يصلّي بعد الإقامة نافلة وإن كان يدرك الصلاة مع الإمام، وردّ على من قال : إن علم أنّه يدرك الركعة الأولیٰ أو الثانية يصلّى النافلة

”اس حدیث میں دلیل موجود ہے کہ فرضی نماز کی اقامت کے بعد نفلی نماز نہیں پڑھی جاسکتی اگرچہ آدمی (نفل پڑھ کر) امام کے ساتھ بھی نماز پڑھ سکتا ہو۔ اس حدیث میں اس شخص کا ردّ بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ اگر آدمی کو یقین ہو کہ وہ پہلی یا دوسری رکعت میں شامل ہو جائے گا تو (فرض نماز کی اقامت کے بعد) نفل پڑھ سکتا ہے۔“

(شرح صحیح مسلم :1/ 247)

یہ حدیث مبارکہ بھی اس بات پر واضح دلیل ہے کہ فجر کی سنتیں تکبیر کے بعد پڑھنا جائز نہیں، ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر انکار نہ فرماتے۔

دلیل نمبر ④: سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

إنّ النبي صلّى اللّه عليه وسلّم رأى رجلا يصلّي ركعتي الفجر وقد أقيمت الصلاة صلاة الفجر، فقال النبي صلّى اللّه عليه وسلّم : ((ألصبح أربعا))

”نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز فجر کی اقامت کے بعد فجر کی دو رکعت سنت ادا کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم صبح کی چار رکعتیں ادا کر رہے ہو؟“

(مسند البزار : 3260، وسنده صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑤: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں:

كنت أصلّى وأخذ المؤذّن في الإقامة، فجذبني النبي صلّى اللّه عليه وسلّم وقال : ((أتصلّى الصبح أربعا ؟))

”میں نماز پڑھ رہا تھا کہ مؤذن اقامت کہنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھینچا اور فرمایا: کیا تم صبح کی (فرض) نماز چار رکعتیں ادا کر رہے ہو؟“

(مسند الطیالسي : 2736، السنن الکبریٰ للبیہقي : 2/ 482، وسندہ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (1124) اور امام ابنِ حبان (2469) نے "صحیح" کہا ہے۔

اس حدیث کا راوی صالح بن رستم ابو عامر الخزّار جمہور محدثین کرام کے نزدیک موثّق، حسن الحدیث ہے۔

دلیل نمبر ⑥: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

أقیمت صلاۃ الصبح، فقام رجل یصلّی رکعتین، فجذب رسول اللّہ صلّی اللّہ علیہ وسلّم بثوبہ، وقال : ((أتصلّی الصبح أربعا ؟))

"صبح کی نماز کھڑی ہو گئی تو ایک آدمی کھڑا ہو کر دو رکعتیں (نفل) ادا کرنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے کپڑے سے پکڑ کر کھینچا اور فرمایا: کیا تم صبح کی (فرض) نماز چار رکعتیں ادا کر رہے ہو۔" (مسند الإمام أحمد :1/ 238، وسندہ حسنٌ)

دلیل نمبر ⑦: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أقیمت الصلاۃ فرأی النبي صلّی اللّہ علیہ وسلّم ناسا یصلّون، فقال : ((أصلاتان ؟)) "نماز کھڑی ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ (نفل) نماز ادا کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا دو (فرض) نمازیں پڑھ رہے ہو۔"

(التاریخ الصغیر للبخاري : 2300، وسندہ حسنٌ)

ان دلائل کے متعلق علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فھذہ نصوص منقولۃ نقل المتواتر، لا یحلّ لأحد خلافھا "یہ نصوص متواتر حد تک مروی ہیں۔ کسی کے لیے ان کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں۔" (المحلی لابن حزم : 3/ 108، مسئلۃ : 308)

بعض الناس کا مذہب !

ان احادیث مبارکہ کے خلاف بعض الناس کا مذہب ملاحظہ فرمائیں:

إن خشي أن تفوته ركعة من الفجر في جماعة ويدرك ركعة من الفجر صلّى ركعتين عند باب المسجد، ثمّ دخل فصلّى مع القوم، وإن خاف أن تفوته الركعتان جميعا صلّى مع القوم ولم يصلّ ركعتي الفجر ولا يقضيهما "اگر نمازی کو فجر کی ایک رکعت نکل جانے اور ایک رکعت پانے کا خدشہ ہو تو وہ مسجد کے دروازے کے پاس دو رکعتیں پڑھ لے اور پھر نماز میں جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے۔ اگر اسے دونوں رکعتوں کے نکل جانے کا خدشہ ہو تو وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے اور دو رکعت سنت ادا نہ کرے نہ ان کی قضائی دے۔" (كتاب الأصل لمحمد بن الحسن الشيباني :1/ 166، الأوسط لابن المنذر : 5/ 233)

ان لوگوں نے مذکورہ احادیث کی باطل تاویلات کر رکھی ہیں۔ جیسا کہ:

(1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں امام طحاوی حنفی (238-321ھ) لکھتے ہیں: فقد يجوز أن يكون أراد بهذا النهي عن أن يصلّي غيرها في موطنها الّذي يصلّي فيه فيكون مصلّيها قد وصلها بتطوّع، فيكون النهي من أجل ذلك لا من أجل أن يصلّي في آخر المسجد، ثمّ يتنحّى الّذي يصلّيها من ذلك المكان فيخالط الصفوف ويدخل في الفريضة

"ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ممانعت سے مراد یہ ہو کہ نمازی فجر کی نماز کے علاوہ کوئی نماز اس جگہ نہ پڑھے، کیونکہ اس طرح نماز پڑھنے والا فجر کی نماز کو نفل کے ساتھ ملا دے گا۔ لہٰذا ممانعت اس بات سے تھی، اس بات سے نہیں تھی کہ وہ مسجد کے آخری حصے

میں نفل پڑھ لے پھر اس جگہ سے ہٹ کر صفوں میں مل جائے اور فرض نماز میں داخل ہو جائے۔"(شرح معاني الآثار للطحاوي :371/1)

تبصرہ : یہ تاویل باطل ہے۔ ائمہ محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں، بلکہ یہ امتِ مسلمہ کے متفقہ فہم کے خلاف ہے۔ امام ابن ابی العز الحنفی(731 - 792ھ)نے کیا خوب کہا ہے: ومن ظنّ أن يعرف الأحكام من الكتاب والسنّة بدون معرفة ما قاله الأئمّة وأمثالهم فهو مخطئٌ "جو آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے احکام بغیر ائمہ دین اور اسلافِ امت کے اقوال کی معرفت کے بغیر سمجھ لے گا وہ خطاکار ہے۔"(الاتّباع لابن أبي العز الحنفي : ص 43)

اس مسئلہ میں ساری کی ساری احادیث اس تاویل کا ردّ کرتی ہیں۔

(ب) نیز امام طحاوی حنفی سیدنا عبد اللہ بن بحینہ اور ابن سرجس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: إنّه قد يجوز أن يكون قوله : كان خلف الناس أي كان خلف صفوفهم لا فصل بينه وبينهم، فكان شبيه المخالط لهم، فذلك أيضا داخل في معنى ما بان من حديث بن بجينة، وهذا مكروه عندنا ، وانّما يجب أن يصلّيهما في مؤخّر المسجد ، ثمّ يمشي من ذلك المكان إلى أوّل المسجد ، فأمّا أن يصلّيهما مخالطا لمن يصلّي الفريضة فلا "یہ بھی ممکن ہے کہ راوی کا اس آدمی کے بارے میں لوگوں کے پیچھے ہونے کے بیان کا مطلب یہ ہو کہ وہ صفوں کے پیچھے اس طرح تھا کہ اس کے درمیان اور (باجماعت نماز پڑھنے والے) لوگوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہ تھا۔ گویا وہ ان کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ یہ صورت بھی اسی میں داخل ہے جو ابنِ بحینہ کی حدیث میں بیان ہوئی ہے ۔ یہ ہمارے نزدیک بھی مکروہ ہے ۔ ضروری ہے کہ نمازی (جماعت کے دوران فجر کی دو رکعتیں) مسجد کے آخری حصے میں ادا کرے پھر چل کر مسجد

کے شروع والے حصے میں آئے۔ اگروہ فرض پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر نفل پڑھے تو یہ درُست نہیں۔"(شرح معاني الآثار للطحاوي :371/1)

تبصرہ : یہ انتہائی بعید تاویل ہے جو ائمہ محدثین کے اجماعی فہم کے خلاف ہے۔ سابقہ احادیث بول بول کر اس کا ردّ کرتی ہیں، جیسا کہ علامہ عبد الحیٔ لکھنوی حنفی لکھتے ہیں: وحمل الطحاوي هذه الأخبار على أنّهم صلّوا في الصفوف لا فصل بينهم وبين المصلّين بالجماعة، فلذلک زجرهم النبي صلّى اللّه عليه وسلّم، لكنّه حمل من غير دليل معتدّ به، بل سياق بعض الروايات يخلفه "امام طحاوی حنفی نے ان احادیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ (فرض کے ہوتے ہوئے نفل) نماز پڑھنے والوں نے جماعت کی صفوں میں یہ نماز پڑھی تھی۔ ان کے درمیان اور جماعت کے ساتھ فرض نماز پڑھنے والوں کے درمیان کوئی فاصلہ نہ تھا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا۔ لیکن یہ مطلب ومفہوم کسی قابل اعتماد دلیل کے بغیر اخذ کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس بعض روایات کا سیاق اس معنیٰ کی مخالف کرتا ہے۔"(التعليق الممجّد : ص 86)

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ (384- 456ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

ثمّ لو لم يأت حديث أبي هريرة أصلا لكان في حديث ابن سرجس وابن بجينة وابن عبّاس كفاية لمن نصح نفسه، ولم يتّبع هواه في تقليد من لا يغني عنه من الله شيئًا، ونصر الباطل بما أمكن من الكلام الغثّ "پھر اگر سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا سرے سے وجود بھی نہ ہوتا تو سیدنا ابن سرجس، ابن بحینہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی احادیث اس شخص کے لیے کافی ہیں جو اپنے نفس کی خیر خواہی کرتا ہو، خواہش نفس کی پیروی میں ایسے لوگوں کی تقلید نہ کرتا ہو جو اللہ کے ہاں اسے کچھ فائدہ نہ دے سکیں گے اور وہ شخص فضول کلام سے جہاں تک ممکن ہو سکے باطل کی تائید نہ کرتا ہو۔"

(المحلّى لابن حزم : 3/ 109، مسئلة : 308)

نیز ابنِ حزم رحمہ اللہ بعض الناس کی اس تاویل کا ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واعترض بعضهم في حديث ابن سرجس وابن بحينة بضحكة أخرى، وهي أن قال : لعلّ رسول الله إنّما أنكر عليه أن يصلّيهما مختلطا بالناس، وهذا كذب مجرّد ومجاهرة بسمجة، لإنّ في الحديث نفسه : أنّه لم يصلّهما إلّا خلف الناس في جانب المسجد، كما يأمرون من قلّدهم في باطلهم، فكيف ولو لم يكن هذا لكان مما يوضح كذب هذا القائل قول رسول الله : ((بأيّ الصلاتين اعتددتّ، أبصلاتك وحدك أم بصلاتك معنا))،و ((أتصلّي الصبح أربعا)) لإنّ من الباطل الممتنع أن يقول له النبيّ هذا القول، وهو لم ينكر عليه إلّا صلاته الركعتين مختلطا بالناس ومتّصلا بهم، فيسكت عليه السلام عمّا أنكر من المنكر ويهتف بما لم يذكر من لفظه، وقد أعاذ الله تعالى نبيّه عن هذا التخليط الّذي لا يليق بذي مسكة إلّا بمثل من أطلق هذا .

"بعض لوگوں نے سیدنا ابنِ سرجس اور ابنِ بحینہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ایک اور مضحکہ خیز اعتراض کیا ہے۔ وہ یہ کہ اس کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس (جماعت ہوتے ہوئے نفل پڑھنے والے) شخص کے (باجماعت) لوگوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے پر اعتراض کیا تھا۔ یہ صاف جھوٹ اور بے وقوفی کا مظاہرہ ہے کیونکہ اسی حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ اس شخص نے یہ دو رکعتیں لوگوں سے پیچھے مسجد کی ایک جانب میں ہی پڑھی تھیں۔ بالکل اسی طرح یہ لوگ باطل میں اپنی تقلید کرنے والوں کو حکم دیتے ہیں۔ اگر یہ الفاظ نہ بھی ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس جھوٹ کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ تم نے دو نمازوں میں سے کون سی نماز شمار کی ہے، جو اکیلے پڑھی ہے یا جو ہمارے ساتھ پڑھی ہے؟ اور کیا تم صبح کی نماز چار رکعتیں پڑھ رہے ہو؟ یہ غلط اور ناممکن بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اتنی

باتیں کہیں اور اعتراض صرف اس کے لوگوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے پر کریں۔یعنی جس بات پر انکار کرنا تھا اس سے تو آپ خاموش رہیں جبکہ مراد وہ بات ہو جس کا الفاظ میں آپ نے ذکر ہی نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایسی بے عقلی سے محفوظ رکھا تھا جو کسی عقل مند کے لائق نہیں بلکہ صرف ایسی باتیں کرنے والوں کے مناسب ہے۔"
(المحلّیٰ لابن حزم : 3/ 109، 110، مسئلة : 308)

تنبیہ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلّا المكتوبة، إلّا ركعتي الصبح
"جب نماز کی اقامت ہو جائے تو سوائے فرضی نماز کے کوئی نماز نہیں ہوتی۔ہاں فجر کی دو رکعت سنت ہو جاتی ہیں۔"(السنن الکبریٰ للبیهقي : 2/ 483)

تبصرہ : اس کی سند سخت "ضعیف" ہے کیونکہ :

① اس کا راوی حجاج بن نصیر جمہور محدثین کے نزدیک "ضعیف" ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: والأكثرون على تضعيفه
"اکثر محدثین اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔"(مجمع الزوائد : 8/ 32)

نیز فرماتے ہیں: وقد ضعّفه الجمهور "اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔" (مجمع الزوائد : 8/121)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعيف، كان يقبل التقلقين
"یہ ضعیف روای تھا، تلقین قبول کرتا تھا۔"(تقریب التهذيب لابن حجر : 1139)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے "متروک" قرار دیا ہے۔(تلخيص المستدرك : 3/ 179)

② اس کا دوسرا راوی عباد بن کثیر البصری بھی "متروک" ہے۔(التقريب : 3139)
اگر یہ عباد بن کثیر الرملی ہے تو بھی "ضعیف" ہے۔(التقريب : 3140)

③ اس کا تیسرا راوی لیث بن ابی سلیم بھی جمہور کے نزدیک "ضعیف" اور "مختلط" ہے۔

خود امام بیہقی رحمہ اللہ دونوں راویوں حجاج بن نُصیر اور عبّاد بن کثیر کو "ضعیف" قرار دے کر لکھتے ہیں: وهذه الزيادة لا أصل لها "یہ زیادت بے اصل ہے۔"

(السنن الكبرىٰ للبيهقي : 2/ 483)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسے بے اصل قرار دیا ہے۔(إعلام الموقعين : 2/ 375)

بعض الناس کے موقوف دلائل پر تبصرہ

بعض صحابہ کرام سے جماعت ہوتے ہوئے فجر کی سنتیں ادا کرنے کے بارے میں جو روایات مروی ہیں، ان کا جائزہ پیشِ خدمت ہے:

① سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (أ) (شرح معانی الآثار للطحاوی: 1/ 355) : اس کی سند یحییٰ بن ابی کثیر کی تدلیس کی وجہ سے "ضعیف" ہے۔

(ب) (مصنف ابن ابی شیبہ: 2/ 250) اس کی سند بھی "ضعیف" ہے کیونکہ اس میں دلہم بن صالح نامی راوی "ضعیف" ہے۔(تقریب التهذيب : 1830)

② سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ : (شرح معانی الآثار للطحاوی: 1/ 375) اس کی سند ابو معاویہ الضریر کی تدلیس کی وجہ سے "ضعیف" ہے۔

③ سیدنا عبد اللہ بن مسعود اور سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما: (مصنف ابن ابی شیبہ: 2/ 251) اس کی سند ابو اسحاق السبیعی کی تدلیس کی وجہ سے "ضعیف" ہے۔

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت : (شرح معانی الآثار للطحاوی: 1/ 374) میں امام سفیان ثوری اور ابو اسحاق سبیعی دونوں "مدلس" ہیں۔

④ سیدنا ابو موسیٰ اشعری، سیدنا حذیفہ اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم : (ایضاً)

اس میں ابو اسحاق سبیعی مختلط ہیں۔ زہیر نے ان سے اختلاط کے بعد سماع کیا ہے لہٰذا یہ روایت بھی "ضعیف" ہے۔

سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما (شرح معانی الآثار : 1/ 374، وسندہٗ صحیح)، مسروق تابعی رحمہ اللہ (شرح معانی الآثار: 1/ 376، وسندہٗ صحیح) اور امام حسن بصری رحمہ اللہ (شرح معانی الآثار: 1/ 376) سے جماعت کے ہوتے ہوئے فجر کی سنتیں پڑھنا ثابت ہے۔ ابو عثمان نہدی بیان کرتے ہیں کہ ہم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آتے۔ وہ نماز میں ہوتے تھے۔ ہم نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھی ہوتی تھیں۔ ہم مسجد کے آخری حصے میں نفل ادا کرتے، پھر جماعت کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ (شرح معاني الآثار للطحاوي :1/ 375، وسنده صحيحٌ)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ کو جگایا۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ آپ نے کھڑے ہو کر فجر کی سنتیں ادا کر لیں۔

(شرح معاني الآثار للطحاوي :1/ 375، وسنده صحيحٌ)

اسی طرح نافع بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر سے نکلے۔ صبح کی نماز کھڑی ہو چکی تھی۔ آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی راستے میں فجر کی سنتیں ادا کیں پھر مسجد میں داخل ہو کر جماعت میں شامل ہو گئے۔

(شرح معاني الآثار للطحاوي :1/ 375، وسنده صحيحٌ)

مسجد کے اندر جماعت کے ہوتے ہوئے فجر کی سنتیں پڑھنا سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں۔ بلکہ وہ اس سے ناراض ہوتے تھے جیسا کہ ان کے بارے میں روایت ہے:

إنّہ أبصر رجلا یصلّی الرکعتین والمؤذّن یقیم، فحصبہ وقال : أتصلّی الصبح أربعا ؟

"آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ دو رکعتیں پڑھ رہا تھا اور ادھر مؤذّن اقامت کہہ رہا تھا۔ آپ نے اسے کنکری ماری اور فرمایا: کیا صبح کی نماز چار رکعت پڑھتا ہے؟"

(السنن الکبریٰ للبیهقي : 2/ 483، وسنده صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑧ :

راویٔ حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إذا أقيمت الصلاة فلا صلاة إلّا المكتوبۃ "جب فرض نماز کی اقامت کہہ دی جائے تو فرضی نماز کے سوا کوئی نماز نہیں ہوتی۔"
(مصنف ابن أبي شيبة : 2/ 76، وسنده صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑨: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إذا كنت في المسجد وأقيمت الصلاة فلا تركع "جب تم مسجد میں ہو اور نماز کھڑی کر دی جائے تو (نفلی) نماز نہ پڑھو۔"
(مصنف ابن أبي شيبة : 2/ 77، وسنده صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑩ : سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے شاگرد امام میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إذا كبّر المؤذّن بالإقامۃ فلا تصلّينّ شيئًا حتّى تصلّي المكتوبۃ "جب مؤذّن اقامت کی تکبیر کہہ دے تو فرض نماز پڑھنے تک کوئی نماز نہ پڑھو۔" (مصنف ابن أبي شيبة : 2/ 76، وسنده صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑪ : سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إن كان في مكان صلّاهما، وإن كان في المسجد لم يصلّهما "اگر آدمی اپنے گھر میں ہو تو یہ (جماعت کے ہوتے ہوئے) دو رکعتیں ادا کر لے اور اگر وہ مسجد میں ہو تو ایسا نہ کرے۔" (مصنف ابن أبي شيبة : 2/251، وسنده صحيحٌ)

نیز آپ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہا تھا، ادھر نماز عصر کی اقامت ہو رہی تھی۔ آپ نے فرمایا: يسرّك أن يقال : صلّى ابن فلانۃ ستّا ؟
"کیا تجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ یہ کہہ دیا جائے: فلاں کے بیٹے نے (عصر کی) چھ رکعتیں ادا کی ہیں؟" (مصنف ابن أبي شيبة : 2/ 76، وسنده صحيحٌ)

دلیل نمبر ⑫ : امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں:

كانوا يكرهون الصلاة إذا أخذ المؤذّن في الإقامة "جب مؤذّن اقامت شروع کر دیتا تو (خیر القرون کے) لوگ (نفلی) نماز پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے۔"
(مصنف ابن أبي شيبة : 2/ 76، وسنده صحيحٌ)

یہ ایک درجن دلائل ہیں جو اس بات کا پتا دیتے ہیں کہ فرض نماز کی جماعت کے ہوتے ہوئے سنتیں ادا کرنا جائز نہیں۔ وہ صحابہ و تابعین جو فرض جماعت کی موجودگی میں سنتیں پڑھتے تھے شاید ان تک یہ ممانعت نہ پہنچی ہو، ورنہ اس سلسلے میں فجر کی سنتوں کی کوئی استثناء ثابت نہیں ہو سکی۔

امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: لأن أدرک ما فاتني من المكتوبة أحبّ إليّ من أن أصلّيهما "اگر میں نکل جانے والی فرضی نماز پالوں تو مجھے دو رکعت سنت ادا کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔" (مصنف ابن أبي شيبة : 2/ 252، وسنده صحيحٌ)

امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ما يفوته من صلاة الإمام أفضل ممّا يطلب في تيک الركعتين "ایسے آدمی سے جو امام کے ساتھ والی نماز رہ جاتی ہے وہ اس کے ان دو رکعتوں کے ثواب سے افضل ہوتی ہے۔"
(مصنف ابن أبي شيبة : 2/151، وسنده صحيحٌ)

تنبیہ : جو شخص سنتیں ادا کر رہا ہو، اسی اثناء میں اقامت شروع ہو جائے تو راجح یہی ہے کہ وہ سنتیں توڑ کر باجماعت نماز میں شامل ہو جائے۔ امام سعید بن جبیر (مصنف ابن ابی شیبہ: 2/ 78، وسندہ صحیح)، امام میمون بن مہران (مصنف ابن ابي شیبہ: 2/ 78، وسندہ صحیح) اور قیس بن ابی حازم (مصنف ابن ابي شیبہ: 2/ 78، وسندہ صحیح) رحمہم اللہ اسی کے قائل ہیں۔

فجر کی سنتیں نماز کے بعد کب ادا کی جائیں؟

① جب کوئی مسجد میں آئے اور جماعت کھڑی ہو تو جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے۔ فرض نماز ادا کرنے کے بعد کھڑے ہو کر دو رکعت فجر کی سنتیں ادا کر لے، جیسا کہ سیدنا قیس بن عمرو بن سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: إنّہ صلّى مع رسول اللّہ صلّى اللّہ علیہ وسلّم الصبح، ولم یکن رکع رکعتي الفجر، فلمّا سلّم رسول اللّہ صلّى اللّہ علیہ وسلّم قام فرکع رکعتي الفجر، ورسول اللّہ صلّى اللّہ علیہ وسلّم ینظر إلیہ، فلم ینکر ذلک علیہ "انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی۔ انہوں نے فجر کی دو سنتیں ادا نہیں کی تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو وہ کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں ادا کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ رہے تھے۔ آپ نے کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔" (صحیح ابن خزیمۃ : 1116، صحیح ابن حبان : 1563، المستدرک للحاکم : 1/ 375، وسندہ صحیحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إسنادہ صحیح، وقیس بن قھد الأنصاريّ صحابيّ، والطریق إلیہ صحیح علىٰ شرطھما "اس کی سند صحیح ہے۔ قیس بن قہد انصاری صحابی ہیں۔ ان تک سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس کی سند کا مختصر حال ملاحظہ فرمائیں:

① صحابیٔ رسول سیدنا قیس بن عمرو یا قیس بن قہد۔ اکثر محدثین کا کہنا ہے کہ صحیح قیس بن عمرو ہے۔ جمہور و اکثر کی بات ہی راجح ہے۔

② اسد بن موسیٰ اس کو موصول بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ دوسرے راوی اسے "مرسل" بیان کرتے ہیں۔ ثقہ کی زیادت مقبول ہوتی ہے۔ اسد السنۃ امام اسد بن موسیٰ ثقہ ہیں۔

③ سعید بن قیس کی اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ ، امام ابنِ حبان اور امام حاکم رحمہم اللہ نے "صحیح" قرار دے کر اس کی توثیق کی ہے۔ کسی نے اسے "مجہول" نہیں کہا۔

④ امام ابنِ عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يقولون : إنّ سعيدا والد يحيى بن سعيد لم يسمع من أبيه قيس شيئًا "لوگ کہتے ہیں کہ یحییٰ بن سعید کے والد سعید نے اپنے والد قیس سے کچھ بھی سماع نہیں کیا۔" (الإستيعاب لابن عبد البر : 9/ 186)

حافظ مزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقيل : لم يسمع منه "کہا گیا ہے کہ اس سعید نے اپنے والد قیس سے سماع نہیں کیا۔" (تهذيب الكمال للمزي : 15/ 332)

نامعلوم و مجہول لوگوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لم يعرف القائل لذلك "اس بات کا قائل معلوم نہیں ہو سکا۔"

(نيل الأوطار للشوكاني : 3/ 25)

اس کے برعکس محدثین کا اس کی سند کو صحیح قرار دینا اتصالِ سند کی دلیل ہے۔ پھر یہ اجماعی اصول ہے کہ جب راویوں کی ملاقات ممکن ہو تو سند متصل ہوتی ہے جب تک کسی ثقہ امام کی طرف سے اس کے خلاف کوئی واضح نقد معلوم نہ ہو جائے۔

یہ حدیث واضح نص ہے کہ جس شخص کی فجر کی سنتیں رہ جائیں وہ فرضوں کے متصل بعد ادا کر سکتا ہے۔

وہ احادیث جن میں نمازِ فجر کے بعد نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے، ان کا تعلق طلوعِ آفتاب کے ساتھ ہے جیسا کہ دو صحابی نمازِ فجر گھر میں ادا کرنے کے بعد مسجد میں آئے۔ ان کے سامنے جماعت ہو رہی تھی لیکن وہ اس میں شامل نہیں ہوئے۔ پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ہم نے نمازِ فجر گھر میں ادا کرلی تھی۔ اس پر نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

فلا تفعلا ، إذا صلّيتما في رحالكما ، ثمّ أتيتما مسجد جماعة، فصلّيا معهم، فإنّها لكما نافلة "تم آیندہ ایسا نہ کرنا۔ جب تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو پھر کسی جماعت والی مسجد میں آؤ تو ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لیا کرو۔ وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔"(مسند الإمام أحمد : 4/ 160، 161، سنن أبي داود : 575، 576، سنن النسائي : 858، سنن الترمذي : 219، وقال : حسن صحيحٌ، وسنده صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (1279) اور امام ابنِ حبان (1565) نے بھی "صحیح" قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ نمازِ فجر کے بعد نوافل بھی ادا کیے جاسکتے ہیں۔ فجر کی سنتیں تو بالاولیٰ ادا ہو سکتی ہیں کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ کی موجودگی میں ایسا ہوا ہے اور اس پر آپ نے رضامندی ظاہر کی ہے۔

② فجر کی چھوڑی ہوئی سنتیں اگر فرضوں کے فوراً بعد ادا نہ ہو سکیں تو طلوعِ آفتاب کے بعد بھی ادا ہو سکتی ہیں جیسا کہ امام نافع، سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں: إنّه جاء إلى القوم وهم في الصلاة، ولم يكن صلّى ركعتين، فدخل معهم، ثمّ جلس في مصلّاه، فلمّا أضحىٰ قام فصلّاهما "آپ آئے تو لوگ نماز میں تھے۔ آپ نے فجر کی دو سنتیں نہیں پڑھی تھیں۔ آپ جماعت میں ان کے ساتھ شامل

ہو گئے۔ پھر اپنی نماز والی جگہ میں بیٹھے رہے۔ جب چاشت کا وقت ہوا تو کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں ادا کر لیں۔" (مصنف ابن أبي شيبة : 2/ 254، وسنده صحيحٌ)

قاسم بن محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: لولم أصلّهما حتّى أصلّى الفجر صلّيتهما بعد طلوع الشمس "اگر میں ان دونوں رکعتوں کو فجر کی نماز تک ادا نہ کر سکوں تو پھر سورج طلوع ہونے کے بعد ادا کرتا ہوں۔"

(مصنف ابن أبي شيبة : 2/ 254، وسنده صحيحٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وبه يقول سفيان الثوريّ، وابن المبارك، والشافعيّ، وأحمد، وإسحاق "امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ یہی کہتے ہیں۔"

(سنن الترمذي ، تحت الحديث : 423)

فائدہ : حديث : ((من لم يصلّ ركعتي الفجر فليصلّهما بعد ما تطلع الشمس))(سنن الترمذي : 423) اس کی سند قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے "ضعیف" ہے۔

تنبیہ : فجر کی سنتوں کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔ صحیح مسلم (725) وغیرہ کی حدیث اس پر شاہد ہے لیکن بعض لوگ اس سلسلے میں ایک "ضعیف" حدیث بھی پیش کرتے ہیں، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تدعوا ركعتي الفجر، ولو طردتّكم الخيل "فجر کی دو سنتیں نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں دشمن کے گھوڑے کچل جائیں۔"

(مسند الإمام أحمد : 2/ 405، سنن أبي داود : 1258)

تبصرہ : اس کی سند "ضعیف" ہے ۔ اس کا راوی ابن سیلان "مجہول" ہے۔ حافظ ابن القطان فرماتے ہیں: وعلّتہ الجھل بحال ابن سیلان

"اس حدیث میں علت یہ ہے کہ ابنِ سیلان کے حالات نامعلوم ہیں۔"

(نصب الراية للزيلعي : 161/2)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: لا یعرف "یہ نامعلوم راوی ہے۔" (میزان الاعتدال : 2/ 547، ترجمة عبد الرحمن بن إسحاق المدني)

حافظ عبد الحق اشبیلی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولیس إسناده بالقوي "اس کی سند مضبوط نہیں۔" (نصب الراية : 161/2)

بہر حال فجر کی سنتوں کی فضیلت ثابت ہے۔ اس کے باوجود امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسجد میں آئے اور نماز کھڑی ہو تو ایک رکعت پالینے کی امید کی صورت میں پیچھے کھڑا ہو کر سنتیں ادا کرلے پھر جماعت میں شامل ہو جائے۔ اگر پوری نماز نکل جانے کا خدشہ ہو تو پھر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ پھر سنتیں نہ پڑھے۔ نہ فرضوں کے متصل بعد نہ طلوعِ آفتاب کے بعد۔ (كتاب الأصل لمحمد بن الحسن : 1/ 166، الهداية : 1/ 152)

قارئین کرام! یہ ہے فجر کی سنتوں کی فضیلت اور یہ ہے حنفی مذہب۔ "یوسفی" مذہب بھی یہی ہے۔ جبکہ اہل الحدیث کا مسلک یہ ہے کہ سنت کی پیروی کرتے ہوئے نہ پہلے سنتیں چھوڑی جائیں نہ بعد میں۔ البتہ فرضوں کی جماعت کھڑی ہو جائے تو سنتیں ترک کر کے جماعت میں شامل ہوا جائے پھر بعد میں سنتیں ادا کی جائیں خواہ فوراً بعد خواہ طلوعِ آفتاب کے بعد۔ اس سے تمام احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل الحدیث ہی عامل بالحدیث ہوتے ہیں۔

"ضعیف + ضعیف = حسن" کی حجیت قسط ③

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

متقدمین اور متاخرین کے منہج کا موازنہ

ہم اُصولِ حدیث میں متقدمین محدثین کے منہج کی ترجیح کے حوالے سے سیر حاصل بحث گذشتہ اقساط میں کر چکے ہیں، نیز یہ بھی بتا چکے ہیں کہ متقدمین محدثین میں سے کسی ایک سے بھی ''ضعیف + ضعیف = حسن'' والا اصول ثابت نہیں، مزید یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی اصطلاحِ ''حسن'' کو اس ضمن میں پیش کرنا درُست نہیں کیونکہ ان کی اصطلاحِ ''حسن'' کا یہ معنیٰ خود اُن کے نزدیک بھی نہیں۔

اس قسط میں ان شاء اللہ ہم اس حوالے سے متقدمین اور متاخرین کے منہج میں موجود فرق کی نشاندہی کریں گے کہ جن روایات کو متاخرین ''ضعیف + ضعیف = حسن'' کے اُصول کے تحت ''حسن'' قرار دیتے ہیں، متقدمین محدثین ان کی تمام تر ''ضعیف'' اسانید کے باوجود ان پر ''ضعیف'' ہی کا حکم لگاتے رہے ہیں۔ انہوں نے متاخرین کی طرح اُن احادیث کو ''حسن'' یا قابلِ حجت قرار نہیں دیا۔

اس سلسلے میں مثالیں پیش کرنے سے قبل ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اُن خود ساختہ شرائط کی طرف بھی اشارہ کرتے جائیں جو بعض احباب نے ''ضعیف + ضعیف = حسن'' کے لیے بیان کی ہیں۔ ہمارا دعویٰ ابھی تک اپنی جگہ بر قرار ہے کہ متقدمین محدثین میں سے کسی سے ''ضعیف + ضعیف = حسن'' کی حجیت ثابت نہیں۔ رہے متاخرین جو ''ضعیف + ضعیف = حسن'' کی حجیت کے قائل تھے تو اُنہوں نے بھی یہ شرائط ذکر نہیں کیں۔ بعد میں آنے

والے بعض احباب نے جب بہت سی ایسی "ضعیف" روایات جو خود ان کے نزدیک بھی "ضعیف" تھیں، ان کو بھی اس قاعدے کے تحت "حسن" بنتے دیکھا تو "ضعیف + ضعیف = حسن" پر وارد ہونے والے اعتراضات سے بچنے کے لیے یہ شرائط وضع کرلی ہیں۔

حافظ بیہقی رحمہ اللہ سے لے کر حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ تک جن متاخرین علمائے کرام نے "ضعیف + ضعیف = حسن" کو حجت تسلیم کیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی اس سلسلے میں کوئی ایسی شرط ذکر نہیں کی جو بعض احباب اب عائد کر رہے ہیں۔حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ "ضعیف + ضعیف = حسن" کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَمَتٰی تُوبِعَ السَّيِّءُ الحِفْظِ بِمُعْتَبَر ؛ كأَنْ يكونَ فوقَهُ أَو مِثْلَه لَا دُونَه، وكَذَا المُخْتَلِطُ الَّذِي لَمْ يَتَمَيَّزْ وَالمَسْتُورُ وَالإِسنادُ المُرْسَلُ، وكَذَا المُدَلَّسُ إِذَا لَمْ يُعْرَفِ الْمَحْذُوفُ مِنْهُ صَارَ حديثُهُم حَسناً ؛ لَا لِذاتِه، بَلْ وَصْفُه بِذٰلِكَ بِاعْتِبَارِ الْمَجْمُوعِ مِنَ الْمُتَابِعِ وَالْمُتَابَعِ ؛ لِأَنَّ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ احْتِمَالَ أَنْ تَكُوْنَ رِوَايَتُه صَوَاباً أَوْ غيرَ صَوَاب عَلٰى حدٍّ سَوَاءٍ، فَإِذَا جَاءَتْ مِنَ الْمُعْتَبَرِينَ رِوَايَةٌ مُوَافِقَةٌ لِأَحدِهِم رُجِّحَ أَحدُ الْجَانِبَيْنِ مِنَ الِاحْتِمَالَيْنِ الْمَذْكُورَيْنِ، وَدَلَّ ذٰلِكَ أَنَّ الْحَدِيثَ مَحْفُوظٌ، فَارْتَقٰى مِنْ دَرَجَةِ التَّوَقُّفِ إِلٰى دَرَجَةِ الْقُبُولِ، وَمَعَ ارْتِقَائِه إِلٰى دَرَجَةِ الْقُبُولِ فَهُوَ مُنْحَطٌّ عَنْ رُتْبَةِ الْحَسَنِ لِذَاتِه، وَرُبَّمَا تَوَقَّفَ بَعْضُهُمْ عَنْ إِطْلَاقِ اسْمِ الْحَسَنِ عَلَيْهِ .

"اور جب خراب حافظے والے روای کی کسی ایسے راوی سے متابعت آجائے جو اس سے اچھی حالت والا ہو یا اس جیسا ہو، اسی طرح وہ مختلط راوی جس کی روایات کی (قبل الاختلاط اور بعد الاختلاط ہونے کے حوالے سے) تمیز نہ ہو سکے نیز مستور راوی، مرسل سند اور ایسی تدلیس والی روایت جس میں گرے ہوئے راوی کی پہچان نہ ہو سکے۔ ان سب کی حدیث حسن ہو جاتی ہے۔خود نہیں بلکہ اس کی یہ حالت مُتَابِعْ اور مُتَابَعْ دونوں کے جمع ہونے کی وجہ

سے ہوتی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے بارے میں برابر امکان ہے کہ اس کی روایت درُست بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔ جب کسی ایسے راوی جس کی روایت متابعات و شواہد میں قبول کی جاتی ہے، سے ان میں سے کسی سے موافق روایت آ جائے تو مذکورہ دونوں احتمالات میں سے ایک جانب (درُستی) کو ترجیح حاصل ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ یہ حدیث محفوظ ہے۔ یوں یہ توقف کے درجے سے بلند ہو کر قبولیت کے درجے تک پہنچ جائے گی۔ ہاں قبولیت کے درجے تک پہنچنے کے باوجود یہ حدیث حسن لذاتہ کے مرتبے سے کم رہے گی۔ بسا اوقات بعض محدثین نے اسے حسن کا نام دینے سے توقف بھی کیا ہے۔"

(نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر لابن حجر : ص 131,130)

قارئین کرام حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کی طرف سے "ضعیف + ضعیف = حسن" کے حوالے سے بیان کی گئی باتیں ملحوظ رکھیں اور بعض احباب کی طرف سے موجودہ دَور میں بیان کی گئی نئی شرائط بھی ملاحظہ فرمائیں، ایک بھائی لکھتے ہیں:

"بسا اوقات کسی ضعیف حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں یا اس کے ضعیف شواہد موجود ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود محدثین اسے حسن لغیرہ کے درجے میں نہیں لاتے، حسن لغیرہ کی عدمِ حجت کے بارے میں سب سے بڑی دلیل یہی ہے اور اسی سے وہ لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں........ **عدم تقویت کے اسباب:** ایسی حدیث کے حسن لغیرہ نہ ہونے میں پہلا سبب یہ ہے کہ ناقد سمجھتا ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں شاہد حدیث کے کسی راوی نے غلطی کی ہے، لہٰذا غلط متابع یا غلط شاہد ضعف کے احتمال کو رفع نہیں کر سکتے ....

دوسرا سبب: حدیث میں فرضیت یا حرمت ہو: ایسی حدیث جس میں کسی چیز کی فرضیت (جس کا تارک گناہ گار ہو) یا حرمت (جس کا مرتکب گناہ گار ہو) ہو تو ایسی ضعیف حدیث کو محدثین حسن لغیرہ قرار دینے میں تأمل کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان میں سے بعض کے نزدیک یہ دونوں چیزیں یا ایک چیز صحیح سند (صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ، صحیح لغیرہ) سے ثابت

ہونا ضروری ہے، جیسا کہ امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ نے فرمایا: مراسیل سے حجت نہیں پکڑی جائے گی، حجت محض صحیح اور متصل سندوں سے پکڑی جائے گی۔ امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: میرا بھی یہی موقف ہے۔(المراسیل لابن أبی حاتم : ص 7)

ضعیف راوی کا تفرد: جس ضعیف حدیث کو بیان کرنے میں راوی اپنے شیخ سے منفرد ہو تو محدثین ایسے تفرد کو قابلِ تقویت نہیں سمجھتے، مثلاً وہ کسی مشہور سند سے کوئی ایسی منفرد حدیث بیان کرتا ہے جو اس شیخ کے مشہور شاگرد بیان نہیں کرتے۔۔۔

جب ایک سے زائد سبب ضعف ہوں: جب حدیث کی کسی سند میں ایک سے زائد ضعف ہوں مثلاً روایت میں انقطاع بھی ہے اور راوی بھی ضعیف ہے، یا اس میں دو راویان ضعیف ہیں تو بسا اوقات محدثین ایسی سند کو قبول نہیں کرتے کیونکہ اس میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ **دیگر اسبابِ ضعف:** بعض ایسے ضعف کے اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے حدیث میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اور یہ اسباب متعدد ہیں جن کا شمار مشکل ہے، تاہم ذیل میں چند اسباب بیان کیے جاتے ہیں: ① اگر سند میں مبہم راوی ہو، اس کا شاگرد اپنے اساتذہ سے بیان کرنے میں احتیاط نہ کرتا ہو تو ایسی روایت متابع یا شاہد نہیں بن سکتی۔ ② سند میں راوی کی کنیت مذکور ہو اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے؟ ③ اس میں متروک اور انتہائی کمزور راویوں کی منقطع اور مرسل روایات بھی داخل ہیں۔ ④ جب ضعیف راوی کسی حدیث کو مرسل بیان کر دے ....۔"

ان اسباب و شرائط پر گفتگو کافی طوالت طلب ہے، لہٰذا ہم آیندہ کسی قسط میں ان تمام پر سیر حاصل تبصرہ کریں گے۔ سر دست ہم صرف مذکورہ دوسرے اسباب کی طرف قارئین کی توجہ مرکوز کرنا چاہتے ہیں، وہ دوبارہ پڑھ لیجیے: "**دوسرا سبب: حدیث میں فرضیت یا حرمت ہو**، ایسی حدیث جس میں کسی چیز کی فرضیت (جس کا تارک گناہ گار ہو) یا حرمت

(جس کا مرتکب گناہ گار ہو) ہو تو ایسی ضعیف حدیث کو محدثین حسن لغیرہ قرار دینے میں تأمل کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان میں سے بعض کے نزدیک یہ دونوں چیزیں یا ایک چیز ی صحیح سند (صحیح لذاتہ، حسن لذاتہ، صحیح لغیرہ) سے ثابت ہونا ضروری ہے، جیسا کہ امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ نے فرمایا: مراسیل سے حجت نہیں پکڑی جائے گی، حجت محض صحیح اور متصل سندوں سے پکڑی جائے گی۔ امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: میرا بھی یہی موقف ہے۔ (المراسیل لابن أبی حاتم : ص 7)"

یعنی اگر کوئی حدیث "ضعیف + ضعیف = حسن" کے اُصول کے مطابق ہو اور ان احباب کی لگائی ہوئی شرائط پر بھی پُوری اُترتی ہو لیکن اس میں فرضیت یا حرمت کا ذکر آ جائے تو یہ احباب "ضعیف + ضعیف = حسن" کے اُصول کو بائی پاس کرتے ہوئے اسے "ضعیف" ہی سمجھتے تھے۔

عرض ہے کہ اگر "ضعیف + ضعیف = حسن" کے اُصول سے حدیث قابلِ حجت ہو جاتی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو جاتی ہے تو پھر فرضیت یا حرمت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے ثابت چیز کو کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ اور اگر "ضعیف + ضعیف = حسن" کے اُصول سے حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہوتی تو پھر اس کی حجیت کا ڈھنڈورا پیٹنا کس طرح صحیح ہوا؟ اگر یہ احباب "ضعیف + ضعیف = حسن" حدیث کے بارے میں نبیٔ اکرم ﷺ سے ثبوت کا یقین رکھتے ہیں تو ان کا فرضیت یا حرمت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایسی حدیث کو چھوڑنا بالکل غلط ہے اور سنتوں کو ٹھکرانے والی بات ہے!!!

ہمارا ان احباب سے سوال ہے کہ کیا فرضیت اور حرمت پر مشتمل ہونے کی صورت میں آپ کی نظر میں اس حدیث کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے؟ کیا اس صورت میں آپ "ضعیف + ضعیف = حسن" کا انکار کر کے سنتوں کو ٹھکرانے کے مرتکب تو نہیں ہو رہے؟

نیز اس صورت میں آپ کا یہ فتویٰ کہاں جائے گا: ”حسن لغیرہ کے بارے میں بعض لوگ انتہائی غیر محتاط رویہ اپناتے ہیں، ان کے نزدیک ضعیف حدیث + ضعیف حدیث کی مطلق طور پر کوئی حیثیت نہیں، خواہ اس حدیث کے ضعف کا احتمال بھی رفع ہو جائے .... حسن لغیرہ کا مطلق طور پر انکار کرنے والے جس انداز سے متاخرین محدثین کی کاوشوں کو رائیگاں قرار دینے کی سعی نامشکور کرتے ہیں اسی طرح متقدمین جہابذۂ فن کے راویان کی طبقہ بندی کی بھی ناقدری کرتے ہیں اور وہ حسبِ خیال فرامین نبوی ﷺ کی خدمت میں مصروف ہیں۔“

جناب اگر آپ کے بقول ”ضعیف + ضعیف = حسن“ کو قابلِ حجت نہ سمجھنے والے متاخرین کی کاوشوں کو رائیگاں قرار دینے کی سعیٔ نامشکور کرتے ہیں اور متقدمین جہابذۂ فن کے روایان کی طبقہ بندی کی بھی ناقدری کرتے ہیں................. تو فرضیت یا حرمت پر مشتمل ہونے کی صورت میں آپ اسی ”ضعیف + ضعیف = حسن“ کو چھوڑ کر کیسے متاخرین کے بھی قدردان رہ گئے ہیں اور متقدمین کے بھی خوشہ چین بن گئے ہیں؟ اپنے اس تضاد کو رفع کرنے کے لیے آپ کو پہلے متقدمین سے ”ضعیف + ضعیف = حسن (قابلِ حجت)“ کا اُصول ثابت کرنا پڑے گا، پھر متقدمین و متاخرین دونوں سے اس بات کی صراحت بھی پیش کرنا پڑے گی کہ فرضیت یا حرمت پر مشتمل ہونے کی صورت میں یہی ”ضعیف + ضعیف = حسن“ قابلِ حجت و قابلِ عمل نہیں رہتی۔

رہی یہ بات کہ امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ رحمہما اللہ نے فرمایا: ”مراسیل سے حجت نہیں پکڑی جائے گی، حجت محض صحیح اور متصل سندوں سے پکڑی جائے گی۔“ امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”میرا بھی یہی موقف ہے۔“ (المراسیل لابن أبی حاتم : ص 7) تو اس بات میں دُور دُور تک کہیں ”ضعیف + ضعیف = حسن“ کا اشارہ تک نہیں۔ نہ جانے اس سے بعض احباب نے اپنا مطلب کیسے نکالنے کی کوشش کی ہے۔ مذکورہ عام قول کو فرضیت

اور حرمت پر مشتمل ”ضعیف“ کے ساتھ خاص کرنا نہ جانے کس طرح صحیح ہوا ہے؟ مذکورہ ائمہ کرام کی یہ بات ہر ”ضعیف“ اور ”منقطع“ سند کے بارے میں ہے اور یہ تو ہمارے ن ظریے کو حق ثابت کرتی ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حجت محض صحیح اور متصل سندوں سے پکڑی جائے گی۔ اسی بات سے ”ضعیف + ضعیف = حسن“ کا ردّ ہو جاتا ہے کیونکہ اس اُصول کو ماننے سے ”ضعیف“ سندوں سے حجت پکڑنا لازم آتا ہے۔

ہم نے گذشتہ قسط میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اس قسط میں متقدمین اور متاخرین کے منہج میں فرق واضح کیا جائے گا، لہٰذا اس وعدے کی تکمیل ہم کچھ مثالیں عرض کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ بعض احباب کے ”ضعیف + ضعیف = حسن“ کے لیے بنائے ہوئے اُصولوں پر ہم بحث نہیں کر سکے، اس لیے اس قسط میں صرف ایسی مثالیں ہی ذکر کی جائیں گی جو ان کی مذکورہ تمام شرطوں پر پُوری اُترتی ہیں لیکن پھر بھی متقدمین نے ان کی ساری سندوں کے ”ضعیف“ ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اس کے برعکس متاخرین نے انہیں ”ضعیف + ضعیف = حسن“ کے قاعدے کے مطابق ”حسن“ کہہ دیا ہے۔ آیئے ملاحظہ فرمایئے:

نیا چاند دیکھ کر دعا :

یہ حدیث بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے اور ہر صحابی سے اس کی کئی کئی سندیں ہیں لیکن ہم بعض احباب کی لگائی ہوئی شرطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف وہ سندیں پیش کرتے ہیں جو اُن کی شرطوں پر پُورا اُترتی ہوں گی، پھر بھی پہلے زمانے میں ان سب پر ”ضعیف“ کا حکم لگایا گیا لیکن بعد والے زمانے میں انہیں ”حسن“ قرار دے دیا گیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام ابو جعفر عقیلی رحمہ اللہ (م: 322) سلیمان بن سفیان المدینی پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: .... حدّثنا سليمان بن سفيان قال : حدّثني بلال بن يحيى بن طلحة بن عبيد الله، عن أبيه، عن جده : أنّ النبيّ صلّى الله عليه وسلّم كان إذا

رأى الهلال قال : « اللّهم أهله علينا باليمن والإيمان، والسلامة والإسلام، ربّي وربّك الله »، ولا يتابع عليه إلّا من جهة تقاربه في الضعف، وفي الدعاء لرؤية الهلال أحاديث كأنّ هذا عندي من أصلحها إسنادا، وكلّها ليّنة الأسانيد

”ہمیں سلیمان بن سفیان نے حدیث بیان کی، کہا: مجھے بلال بن یحییٰ بن طلحہ بن عبید اللہ نے اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے حدیث بیان کی کہ نبیٔ اکرم ﷺ جب پہلی رات کے چاند کو دیکھتے تو یہ دُعا پڑھتے: «اللّهم أهله علينا باليمن والإيمان، والسلامة والإسلام، ربّي وربّك الله» لیکن اس (سلیمان بن سفیان کی) متابعت صرف ان ہی راویوں نے کی ہے جو کمزوری میں اس سے ملتے جلتے ہیں۔ پہلی رات کے چاند کو دیکھ کر دُعا پڑھنے کے حوالے سے بہت سی احادیث ہیں۔ میرے خیال میں سند کے اعتبار سے یہ اُن سب سے اچھی ہے۔ لیکن ان سب احادیث کی سندیں کمزور ہیں۔“

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 3/ 340)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ چوتھی صدی کے محدث و ناقد امام عُقیلی رحمہ اللہ نے کتنے واضح الفاظ میں یہ بات بتائی ہے کہ پہلی رات کے چاند کو دیکھ کر دُعا پڑھنے کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن وہ سب کی سب سند کے اعتبار سے ”ضعیف“ ہیں اور ملتے جلتے تھوڑے ضعف والی ضعیف روایات مل کر قابلِ حجت نہیں بنتی۔ امام صاحب کی تحقیق سے کسی کو سو مرتبہ اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس عبارت سے اُن کی یہ بات بہر حال نمایاں ہو رہی ہے کہ اُن کی لغت میں ”ضعیف + ضعیف = حسن“ نام کی کوئی چیز نہیں تھی ورنہ وہ اس حدیث کو اس اُصول کی بنا پر ”حسن“ قرار دیتے اور اس کی ہر متابعت کے ضعیف ہونے کا خصوصی ذکر نہ فرماتے۔

متقدمین محدثین کے نزدیک ”ضعیف + ضعیف = حسن“ والا اُصول رائج نہیں تھا اور اس حوالے سے متقدمین اور متاخرین کے منہج میں فرق آگیا ہے، اس پر یہ دلیل کافی ہے کہ محدث العصر علامہ البانی رحمہ اللہ (م: 1420ھ) امام عُقَیلی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا بات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: لكنّ الحديث حسن لغيره، بل هو صحيح لكثرة شواهده الّتي أشار إليها العقيلي ”لیکن یہ حدیث اُن شواہد کی وجہ سے حسن لغیرہ بلکہ صحیح ہے جن کی طرف امام عُقَیلی رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے۔“

(سلسلة الاحاديث الصحيحة للالباني : 4/ 430)

یادرہے کہ یہاں بحث کسی خاص دُعا کی نہیں ہورہی بلکہ پہلی رات کا چاند دیکھ کر مطلق دُعا کے بارے میں امام عُقَیلی رحمہ اللہ نے سب سندوں کے ”ضعیف“ ہونے کا حکم لگایا ہے جبکہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ”ضعیف + ضعیف = حسن“ والے اُصول کے تحت پہلی رات کا چاند دیکھ کر دُعا پڑھنے کو ”حسن لغیرہ“ بلکہ ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ آیئے اس حدیث کی ایسی سندوں کا مطالعہ کریں جو بعض احباب کی مقرر کردہ شرائط پر بھی پوری اُترتی ہیں:

① علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أخرجه ابن السني (رقم 639) عن الوليد بن مسلم، عن عثمان بن أبي العاتكة، عن شيخ من أشياخهم، عن أبي فروة حدير السلمي، وهذا إسناد ضعيف، لجهالة الشيخ الذي لم يسمّ، وبقية رجاله موثقون . ”ابن السنّی نے اسے ولید بن مسلم سے، عثمان بن ابی العاتکہ، اُن کی شیوخ میں سے کسی شیخ اور ابو فروہ حُدَیرا لسلمی کے واسطے سے بیان کیا ہے لیکن یہ سند ضعیف ہے کیونکہ وہ شیخ مجہول ہے جس کا سند میں نام نہیں لیا گیا۔ باقی سب راوی ثقہ ہیں۔“

(سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة : الرقم : 3504)

② اس کی ایک اور سند علامہ البانی رحمہ اللہ کی ہی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

وروى الطبرانيّ في "الأوسط" عن عبد الله بن هشام قال : كان أصحاب رسول الله – صلّى الله عليه وسلّم – يتعلّمون هذا الدعاء إذا دخلت السنة أو الشهر : اللّهم! أدخله علينا بالأمن والإيمان، والسلامة والإسلام، ورضوان من الرحمن، وجواز من الشيطان . قال الهيثمي : "وإسناده حسن"، وعلى هامشه ما نصه : "قلت : فيه رشدين بن سعد ، وهو ضعيف . ابن حجر" .

"امام طبرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الاوسط میں عبد اللہ بن ہشام سے بیان کیا ہے کہ سال یا مہینے کے آغاز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام یہ دُعا سیکھا کرتے تھے: اللّهم ! أدخله علينا بالأمن والإيمان، والسلامة والإسلام، ورضوان من الرحمن، وجواز من الشيطان علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ اس کے حاشیے پر ایک عبارت لکھی ہے جس کا مضمون یہ ہے: میں ابنِ حجر کہتا ہوں کہ اس میں رشدین بن سعد راوی ضعیف ہے۔"(سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة : الرقم : 3504)

یعنی اس روایت میں وجہِ ضعف صرف رشدین بن سعد راوی ہے جو کہ نیک ہونے کے باوجود حافظے کی کمزوری کی وجہ سے "ضعیف" ہے اور اتفاقی طور پر حافظے کی کمزوری "ضعفِ شدید" شمار نہیں ہوتی۔

③ ایک تیسری سند اور اس پر علامہ البانی رحمہ اللہ کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

أخرجه أبو داود (2 / 328) من طريق قتادة : أنّه بلغه : أنّ النبيّ – صلّى الله عليه وسلّم – كان . . . إلخ، وهذا إسناد مرسل ، ورجاله كلّهم ثقات رجال الشيخين . "اس حدیث کو امام ابو داود رحمہ اللہ نے قتادہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ

نبیٔ اکرم ﷺ یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔۔۔ یہ سند مرسل ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور بخاری و مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔" (السلسلة الضعيفة للالباني : الرقم : 3506)

اس سند میں وجۂ ضعف صرف یہ ہے کہ یہ "مرسل" ہے، یعنی تابعی ڈائریکٹ رسول اللہ ﷺ سے بیان کررہا ہے، یوں سند "منقطع" ہے۔

④ اس حدیث کی ایک چوتھی سند بھی پیشِ خدمت ہے:

أخبرنا حامد بن شعيب : حدثنا سريج بن يونس : حدثنا مروان بن معاوية الفزاري : حدثني شيخ، عن حميد بن هلال، عن عبد الله بن مطرف قال : كان رسول الله – صلّى الله عليه وسلّم – من أقلّ الناس غفلة، كان إذا رأى . . . إلخ

اس کے بارے میں علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أخرجه ابن السني (641) : وإسناده ضعيف لجهالة الشيخ الّذي لم يسمّ، وبقيّة رجاله ثقات رجال الشيخين غير حامد بن شعيب ؛ وهو حامد بن محمّد ابن شعيب البلخيّ، وثّقه الدارقطني وغيره "اس حدیث کو ابن السّنّی نے بیان کیا ہے۔ اس کی سند اس شیخ کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے جس کا نام سند میں نہیں لیا گیا۔ اس کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور بخاری و مسلم کے راویوں میں سے ہیں سوائے حامد بن شعیب کے اور وہ حامد بن محمد بن شعیب بلخی ہیں۔ انہیں امام دار قطنی وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔"

یعنی اس سند میں بھی وجۂ ضعیف صرف ایک راوی کا مجہول ہونا ہے۔

ان سب اور دیگر کئی سندوں کو بیان کرنے کے بعد شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وبالجملة ؛ فهذه طرق كثيرة يثبت بها أنه عليه السلام كان يدعو إذا رأى الهلال

"الغرض یہ ایسی بہت سی سندیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ جب پہلی رات کے چاند کو دیکھتے تو دُعا پڑھتے تھے۔" (السلسلة الضعيفة للالباني : 8/ 9)

کتنا واضح فرق ہے متقدمین اور متاخرین میں "ضعیف + ضعیف = حسن" کے حوالے سے کہ اُسی حدیث کو امام عُقَیلی رحمہ اللہ سب سندوں سے "ضعیف" قرار دے رہے ہیں جبکہ علامہ البانی رحمہ اللہ اُن کا قول نقل کرنے کے بعد اُن کے برعکس اس پر "ضعیف + ضعیف = حسن" کے اُصول کے تحت "حسن لغیرہ" بلکہ صحیح تک کا حکم لگا رہے ہیں۔ ہم نے اس سلسلے میں چار ایسی سندیں پیش کی ہیں جن میں ضعف خفیف ہے۔ متقدمین تو سرے سے "ضعیف + ضعیف = حسن" کے قائل نہ تھے اور جن متاخرین نے اس اُصول کو بیان کیا ہے، ان کے نزدیک بھی اگر دو سندیں ایسی ہوں جن میں کوئی سخت ضعیف راوی نہ ہو تو وہ "حسن" بن جاتی ہیں۔ البتہ بعض احباب نے متاخرین کی اس کاوش پر "بے شمار" اسباب و شرائط کا اضافہ کر دیا ہے۔

اب قارئین کرام دوسری اور تیسری سند کو دوبارہ دیکھ لیں اور غور فرمائیں بعض احباب کی بیان کی ہوئی شرطوں پر۔ اُن احباب کا کہنا تھا کہ: "بسا اوقات کسی ضعیف حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں یا اس کے ضعیف شواہد موجود ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود محدثین اسے حسن لغیرہ کے درجے میں نہیں لاتے، حسن لغیرہ کی عدمِ حجت کے بارے میں سب سے بڑی دلیل یہی ہے اور اسی سے وہ لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں .... متقدمین محدثین بعض احادیث کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ كلّها ضعيفة یا أسانيدها كلّها معلولة (یعنی ان کی سب کی سب سندیں ضعیف ہیں یا سب سندوں میں کوئی نہ کوئی علت موجود ہے) وغیرہ، ان سے حسن لغیرہ کو حجت نہ سمجھنے والے بڑی خوشی سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ ...... ۔" پھر انہوں نے **"عدم تقویت کے اسباب"** کے عنوان کے تحت "بے شمار" اسباب کا ذکر کیا ہے اور ان میں سے تقریباً آٹھ بیان کر دیے ہیں۔ جو "بے شمار" اسباب انہوں نے بتائے نہیں اُن کا لحاظ تو ہم تب ہی کر سکتے ہیں جب وہ سامنے آئیں، البتہ جو ذکر کر دیے گئے ہیں، ان کا

پاس ہم اُتنی دیر تک کرتے رہیں گے جب تک ان پر کوئی بھرپور تبصرہ نہ کر دیں۔ آیئے دیکھیں کہ کیا ان مذکورہ اسباب و شرائط میں سے کوئی سبب یا شرط ہماری ذکر کردہ دوسری اور تیسری سند میں موجود ہے؟

① پہلی شرط یہ لگائی گئی تھی کہ " اس حدیث کو بیان کرنے میں شاہد حدیث کے کسی راوی نے غلطی کی۔۔۔اس نے سند یا متن میں غلطی کی۔۔۔" دوسری اور تیسری سند میں ایسی کوئی بات نہیں نہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے کوئی ایسی نشاندہی کی ہے۔

② دوسری شرط "حسن لغیرہٖ" کے لیے یہ لگائی گئی تھی کہ حدیث میں کوئی فرضیت یا کوئی حرمت نہ ہو۔ یقیناً نیا چاند دیکھ کر دُعا پڑھنے کے تذکرے سے کسی فرض یا حرام چیز کا اثبات نہیں ہوتا۔

③ ہمارے بعض احباب کی تیسری شرط یہ تھی کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں کوئی راوی اپنے استاذ کے مشہور شاگردوں یعنی اپنے سینئر ساتھیوں کی مخالفت نہ کر رہا ہو۔ ہماری بیان کردہ دوسری اور تیسری سند میں ایسی بھی کوئی بات نہیں۔

④ چوتھی شرط یہ تھی کہ اس سند میں ایک سے زائد اسبابِ ضعف نہ ہوں۔ غور سے دیکھ لیں کہ ہماری بیان کردہ دوسری اور تیسری سند میں سببِ ضعف ایک ایک ہی ہے۔

⑤ **"دیگر اسبابِ ضعف"** کے زیرِ عنوان پانچویں شرط یہ تھی کہ "اگر سند میں مبہم راوی ہو، اس کا شاگرد اپنے اساتذہ سے بیان کرنے میں احتیاط نہ کرتا ہو ایسی روایت متابع یا شاہد نہیں بن سکتی۔" غور فرمالیں کہ ہماری بیان کردہ دوسری اور تیسری سند میں کوئی ایسا مبہم راوی نہیں جس کا شاگرد اپنے اساتذہ سے بیان کرنے میں بے احتیاط ہو۔

⑥ چھٹی شرط یہ تھی کہ سند میں ایسا راوی نہ ہو جس کی کنیت مذکور ہو اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ ہماری بیان کردہ دوسری اور تیسری سند میں کوئی ایسا راوی نہیں۔

⑦ ساتویں شرط یہ تھی کہ متروک اور انتہائی کمزور راویوں کی منقطع اور مرسل روایات مُتابِع یا شاہِد نہیں بن سکتیں۔ اس شرط کے مطابق ہماری بیان کردہ اسناد میں کوئی متروک اور انتہائی کمزور راوی نہیں۔

⑧ آٹھویں اور آخری شرط یہ بیان کی گئی تھی کہ کسی ضعیف راوی نے حدیث کو مرسل نہ بیان کیا ہو۔ غور فرمائیں کہ ہماری بیان کردہ سندوں میں سے صرف تیسری سند مرسل ہے، لیکن اسے کسی ضعیف راوی نے بیان نہیں کیا۔

اب اِن احباب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ اس حدیث کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟ اگر وہ اسے "حسن لغیرہٖ" یا "صحیح" سمجھتے ہیں تو یہی فرق ہے متاخرین اور متقدمین میں۔ امام عُقَیلی رحمہ اللہ سے اس کی سب سندوں کے "ضعیف" ہونے کا فیصلہ وہ سُن چکے۔ پھر متقدمین میں سے کسی امام کا اس حدیث کو "حسن" یا "صحیح" کہنا بھی ثابت نہیں لیکن متقدمین کے برعکس متاخرین میں سے بعض علمائے کرام اور یہ احباب اسے "حسن لغیرہٖ بلکہ صحیح" سمجھنے لگے ہیں۔ اور اگر اِن احباب کا خیال یہ ہو کہ یہ حدیث "حسن لغیرہٖ" نہیں تو پھر وہ خود اپنے اُصولوں کی مخالفت کرنے لگے ہیں، کیونکہ ان کے بیان کردہ اُصولوں کے مطابق یہ حدیث "حسن لغیرہٖ" بن چکی ہے۔

ثابت ہوا کہ متقدمین ائمہ حدیث "ضعیف + ضعیف = حسن" کے قائل نہیں تھے۔ یہ اُصول اُن کے بعد متاخرین کے زمانے میں متعارف ہوا۔

دامنِ صفحات اگر تنگ نہ پڑتا تو ہم نگارشات قلم کو وسیع کرتے ہوئے کئی اور مثالوں سے متقدمین اور متاخرین کے منہج میں فرق واضح کرتے، البتہ متلاشیانِ حق کے لیے ایک ہی دلیل کافی ہوتی ہے۔ آیندہ قسطوں میں اس کی مزید توضیح کی جائے گی۔ إن شاء اللہ

جاری ہے۔۔۔۔

❀❀❀❀❀❀❀❀